بسم اللہ الرحمن الرحیم

برصغیر کا سرسید

(فکرسرسید کی دوصدیاں)

گندھارا ہندکو اکیڈمی پشاور

برصغیر کا سرسید

فکر سرسید کی دوصدیاں

تحقیق وتصنیف
ڈاکٹر صلاح الدین

جملہ حقوق بحق گندھارا ہندکو اکیڈمی محفوظ ہیں

نام کتاب	**برصغیر کا سرسید** **(سرسید کی دوصدیاں)**
مصنف	**ڈاکٹر صلاح الدین**
ای۔میل	drsalah63@gmail.com
کمپوزنگ	**بلال احمد**
سرورق	**ثاقب حسین اعلی اویس خیال**
انڈیکسنگ	**محترمہ حنا طاہر**
سال اشاعت	**2017**
اہتمامِ اشاعت	**محمد ضیاءالدین،** **چیف ایگزیکٹو کمیٹی، جی ایچ اے**
جی ایچ اے اشاعت حوالہ	F.200/17
قیمت	400/-
پبلشر	**گندھارا ہندکو اکیڈمی پشاور**
پرنٹنگ	**جی ایچ اے لیزر پرنٹنگ پریس، پشاور**
ISBN No.	978-969-687-198-9
ملنے کا پتہ	**گندھارا ہندکو اکیڈمی، 2 چنار روڈ،** **آبدرہ، یونیورسٹی ٹاؤن پشاور**

گندھارا ہندکو اکیڈمی پشاور

2۔چنار روڈ، آبدرہ، یونیورسٹی ٹاؤن، پشاور

www.gandharahindko.com

انتساب

شہید پاکستان حافظ حکیم محمد سعیدؒ

کے نام، جن کا تخیّلِ

''غربتِ خود اختیاری''

ملّتِ پاکستان کے تمام معاشی مسائل کا حل ہے

پاکستان سے محبت کرو
پاکستان کی تعمیر کرو
حکیم محمد سعیدؒ

نفرت سے بڑا کوئی دُشمن نہیں
اخلاق سے اعلیٰ کوئی وصف نہیں
حکیم محمد سعیدؒ

فہــــــرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
1	پیش نامہ	6
2	پیش لفظ	8
3	تاریخ ہند اور اسلامی تحاریک ۔ از اکبر تا سرسید	10
4	سرسید اور خانوادۂ سرسید	15
5	اجدادِ سرسید احمد خان	18
6	اولادِ سرسید احمد خان	19
7	سرسید کا سفرِ ملازمت	20
8	سرسید احمد خان بحیثیت انشاء پرداز و مصنف	23
9	سرسید اور علم حدیث	39
10	سرسید، نیچریت اور ردِّ نیچریت	46
11	جدیدیت اور فکرِ سرسید	51
12	رفقاءِ سرسید ۔ خیالاتِ سرسید	71
13	سرسید کے عناصرِ خمسہ	76
14	تحریکِ سرسید اور بادِ مخالف	87
15	سرسید اور پاکستان	92
16	دو قومی نظریہ، تصور اور مصورِ پاکستان؟	95
17	سرسید احمد خان بطور ایک سیاسی رہنما	107
18	حیاتِ سرسید احمد خان ۔ ایک نظر میں	134
19	انڈیکس	a-i

پیش نامہ

میں ڈاکٹر صلاح الدین کا شکر گزار ہوں کہ اُنہوں نے مجھے اپنی کتاب کا پیش نامہ لکھنے کا موقع فراہم کیا۔ میرے لئے جہاں یہ ایک اعزاز ہے وہیں اُن سے دوستی اور تعلق کی بناء پر یہ میری ذمہ داری بھی ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میرا کوئی ادبی پس منظر نہیں، میں عمر بھر ایک سرکاری افسر کے طور پر خدمات انجام دیتا رہا ہوں تاہم ادب، تاریخ اور معاشرتی علوم ہمیشہ میری دلچسپیوں کا مرکز و محور رہے ہیں۔

ایک انتہائی معروف ڈاکٹر کی طرف سے سرسید احمد خان کے بارے میں کتاب لکھنا جہاں ایک بہت بڑا چیلنج تھا وہیں یہ کوشش قابلِ تعریف بھی ہے کیونکہ اس موضوع پر خاطر خواہ مواد اور ریسرچ دستیاب نہیں لیکن ڈاکٹر صلاح الدین مبارکباد کے مستحق ہیں کہ اُنہوں نے اس مشکل کو بڑے احسن انداز میں پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے۔

ہماری اور برصغیر کی تاریخ میں سرسید احمد خان کی ذات روشنی کا ایک منبع اور رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔ اُنہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کو اس وقت راہنمائی فراہم کی اور ایک سرخیل کا کردار ادا کیا جب برطانیہ کے خلاف آزادی کی جنگ ہارنے کے سبب مسلمانوں کے حوصلے پست ہو چکے تھے، برصغیر میں صدیوں کی حکمرانی اور ایک بہت بڑی سلطنت مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل چکی تھی۔ ہندو برطانوی حکمرانوں کے ساتھ ساز باز کر کے ہندوستان پر غلبہ حاصل کر چکے تھے، اُنہوں نے جدید تعلیم حاصل کر کے اہم عہدے حاصل کر لئے جبکہ مسلمان جدید تعلیم کو ترک کر کے پسماندگی کا شکار ہو چکے تھے۔ اس

مرحلے پر سرسید احمد خان نے اسلام اور مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا بیڑا اُٹھایا نیز انگریز حکمرانوں اور مسلمانوں کے درمیان رابطے کے لئے ایک پُل کا کردار ادا کیا۔ سرسید احمد خان نے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ معاشرے میں اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کے لئے جدید تعلیم حاصل کریں۔ اس مقصد کیلئے سرسید احمد خان نے کتب اور مضامین لکھے اور اخبارات و جرائد جاری کر کے باقاعدہ ایک تحریک چلائی۔ مسلمانوں اور سرسید احمد خان کیلئے یہ ایک مشکل دور تھا مگر اُنہوں نے ہمت نہ ہاری۔

علی گڑھ یونیورسٹی کا قیام سرسید احمد خان کی طرف سے مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑا تحفہ تھا جو جدید اور قدیم تعلیم کا حسین امتزاج ہے۔ علی گڑھ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل طلباء ہندوستان اور بعدازاں پاکستان میں اہم مناصب پر فائز ہوئے۔

ڈاکٹر صلاح الدین صاحب نے اس کتاب میں عام فہم زبان اور خوبصورت پیرائے میں سرسید احمد خان کی خدمات کا تذکرہ کیا ہے۔ میرے خیال میں اس طرح کی کتاب وقت کی اہم ضرورت تھی، ہمیں ڈاکٹر صاحب کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ اُنہوں نے ایک بہت ہی خوبصورت اور معلومات افزاء کتاب لکھ کر اس ضرورت کو پورا کیا ہے۔

اعجاز احمد قریشی
چیئرمین، گندھارا ہندکو بورڈ پشاور

پیش لفظ

انیسویں صدی عیسوی میں غیر منقسم ہندوستان کی متنازعہ ترین شخصیات میں سرسید احمد خان سرفہرست گردانے جاسکتے ہیں۔ اپنی زندگی کی نصف صدی کا طویل حصہ اُنہوں نے اِسی حیثیت میں مکمل کیا۔ 1817ء سے 2017ء تک فکر سرسید کی دوصدیاں مکمل ہورہی ہیں۔ اِن دوسو سالوں میں اُن کی شخصیت کے مختلف گوشے محققین کے پیش نظر رہے ہیں اور سرسید احمد خان 'جیسا کہ وہ تھے' مزید نکھر کر سامنے آئے۔

اِس میں شک نہیں کہ اُن کے مذہبی عقائد اور تعبیر دِینی پر ایک بڑا حلقہ معترض و محترز رہا بلکہ اِس حوالے سے اُن پر اب بھی دشنام طرازی کا تسلسل جاری ہے مگر علوم عصری اور فنون سائنسی کے حصول کے لئے اُن کی کوششوں کی ہمیشہ تحسین و توصیف کی گئی۔ ہمیں ملک عزیز کے اندر اُن کے اِس احسان کو نہیں بھولنا چاہیے جو تعلیم جدید کے حوالے سے اُن کی ذات سے شروع ہوا اور ہماری نسل در نسل حصول تعلیم میں کامیابی کے پس منظر میں وہی فکر سرسید پوشیدہ رہی جس کا ہمیں آج احساس تک نہیں۔ ہمیں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ ہندوستان کے تعلیمی میدان میں ایک متوازی نظام تعلیم کو بنیاد فراہم کرنا کس قدر کٹھن تھا؟ اِس سوال کا جواب اُن کی مخالفت میں ہی تلاش کیا جاسکتا ہے! سرسید احمد خان کے دینی و مذہبی نظریات سے اتفاق یقیناً پیدا نہیں کیا جاسکتا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اُنہوں نے خود کو غیر ضروری طور پر اُن معاملات میں اُلجھایا جن سے وہ اپنا دامن بچاسکتے تھے۔

'فکر سرسید کی دوصدیاں' وہی فرض کفایہ ہے جو دوصدیوں کی تکمیل پر بقول حاؔلی فکر سرسید کے لئے ادا کیا گیا۔ مادرِ وطن پاکستان کے طول و عرض میں موجود اِدارہ ہائے تعلیم اِسی فکر سرسید کے خوشہ چیں ہیں جو آج دیارِ پاک کے ہر کوچہ و بازار میں موجود ہیں۔

اِس کتاب میں نہ صرف سرسید احمد خان کے مذہبی خیالات کی وضاحت کی گئی ہے جس سے مصنف کو کوئی موافقت نہیں بلکہ ہر طرح کی جانبداری سے مبرا ہو کر اُن کی کوششوں کو سامنے لانے کی سعی کی گئی جو اُنہوں نے علوم عصری کے فروغ کے لئے کیں، جس کا ایک بڑا جزو دین متین کی تعلیمات سے آگاہی بھی رہا۔ اِس کے ثبوت کے لئے ہماری جامعات کے شعبہ ہائے دینیات، سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، مراکز اسلامی اور تقابل ادیان وغیرہ ہمارے پیش نظر ہیں۔ اِس کتاب کے تحریر کرنے میں اِس اہتمام کو ضروری سمجھا گیا کہ اِسے ایک یادونشتوں میں پڑھ کر شخصیت وفکر سرسید کا اِدراک حاصل ہو سکے اور یہ حقیقت بھی پیش نظر رہی کہ کتاب نویسی کے 'دورِ قحط الرجال' میں اگر کوئی قاری اِس کتاب کی ورق گردانی کرے تو ضخامت اُس کے آڑے نہ آسکے۔

جس طرح ملک عزیز کی پیدائش 27 رمضان المبارک خواہش ایزدی تھی، 17 اکتوبر 'یوم سرسید' ہے تو یہی تاریخ 'شہادتِ سعید' بھی ہے۔ اِس اشتراک کو بھی اُسی پس منظر میں دیکھا جانا چاہیے۔ اِس کتاب کے انتساب میں بھی یہی جذبہ کارفرما رہا۔ 'سید سے سعید' تک کا یہ دور بلاشبہ ملت پاکستان کے لئے بالخصوص اور عالم اسلام کے لئے بالعموم 'نشاۃ ثانیہ' کے دور کا آغاز ہے۔ (انشاءاللہ)

اِس کتاب کی تیاری میں تمام تر احتیاط اور علمی شخصیات سے رابطے کے باوجود کئی گوشے محل نظر ہوں گے مگر اِسے انسانی سہو کے درجے میں رکھتے ہوئے اِس کی تمام تر ذمہ داری مصنف کے کندھوں پر ہے۔ اِن خیالات واغلاط کی تصحیح کی دست بستہ گزارش ہوگی تاکہ اگلے ایڈیشن میں شکریہ کے ساتھ اِس کی اصلاح کی جاسکے۔ آخر میں یہ دعا کہ اللہ رب العزت سرسید احمد خان کے سیئات سے درگذر فرمائے اور اُن کے حسنات کو اُن کی بلندیٔ درجات کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

بہ احترامات فراواں
ڈاکٹر صلاح الدین
drsalah63@gmail.com

تاریخ ہنداور اسلامی تحاریک ۔از اکبرتا سرسید

اس موضوع سے انصاف کیلئے ہندوستان میں بعثت رسولؐ کے ایک ہزار سال کے بعد کی تاریخ پر مختصر نظر ڈالنا ضروری ہے۔

ہندوستان سے متعلق حقیقت یہی ہے کہ یہاں کا پرانا مذہب بدھ بت اور جین مت ہی رہا ہے۔ ہندوستان کے طول وعرض میں اگر دوسرا کوئی بھی مذہب داخل ہوا ہے تو اس نے اپنے لیے بہرحال جگہ بنائی ہے۔ ہندومت کی موجودہ اکثریت میں ہمیں کئی پرانے مذاہب دکھائی نہیں دیتے اور یہ اسی لیے ہے کہ ہندومت میں دوسرے مذہبی عقائد کو جذب کرنے کی صلاحیت موجود ہے جب کہ اسلام میں توحید کا تصور مسلمانوں کو کسی بھی ایسے مذہب میں مدغم ہونے سے روکتا ہے۔ جہاں دوئی کا تصور موجود ہو۔ ہندوستان میں اسلام کی آمد کے بعد ہندوؤں کا اسلام کی طرف راغب ہونا جہاں اس حوالے سے تھا کہ اُن کے ہاں ذات پات کی تقسیم نے نچلی ذات کے ہندوؤں کا استحصال کر رکھا تھا وہیں اسلام کی آفاق گیری نے ایسے ہندوؤں کیلئے اطمینان بخش زندگی کی نوید بھی دی اور یہی وہ طبقہ تھا جو تعلیمات اسلامی کی جانب ابتداءً متوجہ ہوا۔ ہندوستان میں تعلیم وتربیت کے بنیادی ادارے مندر، گردوارے، کلیسا اور مساجد ہی رہے ہیں۔ جہاں ظاہر ہے مذہبی تناظر میں ہی تعلیم وتربیت دی جاتی تھی۔ مسلمانوں کی برصغیر میں آمد کو اگر ہم مدنظر رکھیں تو یہ تعلیمات اسلامی ابتداءً انفرادی سطح پر ہی دکھائی دیتی ہیں۔ کسی غیر مسلم کے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ظاہر ہے ایک مبتدی کی حیثیت سے قرآن اور معاشرت کے احکامات ہی اہم ہوتے ہیں۔ جبکہ فلسفہ، منطق، تفسیر جیسے دقیق مضامین کی تفہیم اور اپنے علاقے اور زبان میں اس کی تفصیل کیلئے لمبا عرصہ درکار ہوتا ہے۔

یہ حقیقت اپنی جگہ موجود ہے کہ ہندوستان ایک اکائی کے طور پر کبھی بھی موجود نہیں رہا تھا' بلکہ یہ مختلف

راجوں کی راج دھانیوں کے طور پر موجود تھا اور اقتدار کے حصول کا واحد راستہ طاقت سے دوسرے کو زیرنگین کرنا تھا۔ یوں یہی اُصول مسلمانوں کو بھی اپنانا پڑا تھا۔ اور جب مغرب سے ہندوستان کو فتح کرنے والے مسلم فاتحین داخل ہوئے تو واقع یہ ہے کہ ان کی وجہ سے ہی اسلام کو شوکت عطا ہوئی۔ یہ فاتحین اگرچہ معمولات زندگی میں راسخ مسلمان نہ تھے مگر اب مسلمانوں کی بڑھتی تعداد کے پس منظر میں ایسے فاتحین کی سرپرستی بہرحال شامل تھی۔ دُنیا بھر میں یہ اُصول کارفرما رہا ہے کہ فاتحین کا مذہب اور زبان ہی ترویج حاصل کرتی ہے لہٰذا یہ کلیہ یہاں بھی کام آیا۔ ہر آنے والا دن مسلمانوں کی اس طاقت میں اضافے کا باعث بنا۔ یوں ہندوستان میں 'دین اسلام' اور 'فارسی زبان' بدیسی سہی مگر اب یہ مسلمانوں کی شناخت تھے۔ یوں ہندوؤں کو اسلام کے ساتھ ساتھ اس فاتح زبان سے بھی نفرت تھی جسے اُمور مملکت چلانے کیلئے بادل نخواستہ سہی مگر اُنہیں سیکھنا پڑتی تھی لہٰذا اُن کیلئے فارسی کے ساتھ ساتھ عربی بھی قابل نفرت ٹھہری۔ یوں ہندوؤں کی اکثریت اور پھیلنے والے دین اسلام کے درمیان جھگڑوں کا وجود فطری تھا ہندوستان کے رہنے والوں کا مزاج بھی ان جھگڑوں میں ایک عامل کے طور پر موجود تھا' جسے آج بھی پاک بھارت کشیدگی کی صورت دیکھا جاسکتا ہے۔ کسی بھی سرزمین پر ایسے جھگڑے حکمرانوں کیلئے باعث پریشانی ہوتے ہیں جو اُنہیں راحت حکمرانی سے محروم کئے رکھتے ہیں۔ ایسے میں اُنہیں اقتدار سے محرومی کا فکر بھی دامن گیر رہتا ہے۔

دور اکبری میں اس پریشانی سے بچنے کیلئے 'دین الٰہی' کا ڈول بھی ڈالا گیا۔ روز افزوں دین اسلام کسی بھی طور ہندو وانہ برتری کو عوامی سطح پر قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔ اس کے علاوہ فارس کی تہذیبی فکر اور علمی دسترس نے جہاں دُنیا کے دیگر علاقوں کو متاثر کیا وہیں اس کے دینی فلسفہ و منطق نے ہندوستان میں بھی اپنا اثر دکھایا۔

مغل حکومت سے کہیں پہلے سرزمین ہند میں اسلامی تعلیم و تربیت اور تمدن نے اپنا رسوخ دکھا دیا تھا۔ مسلم تہذیب و تمدن کو ہندوستان میں اپنے پاؤں جمانے کیلئے چار سے پانچ صدیاں لگ گئی

تھیں ۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان کو ایک اکائی کی صورت دینے میں جلال الدین اکبر ہی سب سے پہلے کامیاب ہو سکا تھا جس کے بعد انگریزوں نے دوبارہ اسے کامیابی سے ہمکنار کیا۔ جلال الدین اکبر کے نزدیک سب سے بڑی ترجیح اپنے اقتدار کو تحفظ دینا تھا جس کیلئے ہندوؤں کے نقطۂ نظر سے بھی قابلِ قبول ہونا اُس کی مجبوری تھی اسی لیے اُس نے ایک ہندو عورت سے شادی بھی کی تھی اور اُس کا رائج کردہ 'دینِ الٰہی' بھی اسلام اور ہندومت کی تعلیمات کا ملغوبہ تھا جس کے خلاف مسلمانوں کی ہی مخالفانہ آواز اُٹھی تھی جسے حضرت شیخ احمد سرھندیؒ کی صورت میں بے پناہ صلاحیتوں والی شخصیت کی رہنمائی ملی جنہوں نے اسلام کو ایسے ملحدانہ خیالات سے پاک کرنے کی سعی کی اس لیے اُنہیں 'مجدد الف ثانی' کہا جاتا ہے۔ یعنی دین کے دوسرے ہزاریے کی تجدید کرنے والا حضرت مجدد کا نام 'شیخ احمد' لقب 'بدرالدین' اور کنیت 'ابوالبرکات' تھی۔ وہ 971ھ میں 'سرہند' میں پیدا ہوئے آپ کے والد شیخ عبدالاحد صاحب عالم بزرگ تھے۔ آپ کی تعلیم پہلے اپنے والد اور پھر سیالکوٹ میں مولانا کمال کشمیری کے ہاں ہوئی آپ نے علوم باطنیہ میں درس اپنے والد سے حاصل کیا اور خرقۂ خلافت چشتیہ حاصل کیا۔ 1008ھ میں خواجہ محمد باقی باللہ سے بیعت کی۔ آپ کا مزار سرہند میں ہے[1]

حضرت شیخ سرہندی کی شخصیت ہندوستان کے مسلمانوں کیلئے انتہائی معتبر حیثیت رکھتی ہے کیونکہ اُن کی علمی ،فکری اور تحریکی چھاپ ہمیں بعد کے ہر دور میں ملتی ہے۔ اسی لیے ان کا تذکرہ ہندوستان میں تحریکی اور علمی سفر کا نکتہ آغاز ہے۔ دورِ اکبری ہندوستان کو قومیت پرستانہ جذبات سے ہمکنار کرنے والا دور تھا تو وہیں فنونِ لطیفہ اور تہذیب و تمدن کو بھی ایسا ماحول ملا جس میں ہندوستان کی ثقافت کو بنیادی عنصر کی حیثیت حاصل ہوئی' جسے تمام مذاہب کی شناخت سے بالاتر حیثیت دی گئی۔ حضرت مجدد الف ثانی کی جدوجہد نے جہاں خالص اسلامی عقائد کو دینِ الٰہی سے جدا کر دیا تو وہیں یہ امتیاز اور اس کی جدوجہد جہانگیر' شاہجہاں اور ہمایوں کے ادوار میں بھی کسی نہ کسی طور جاری رہی۔

یاد رہے کہ ہندوستانی قومیت کو تمام مذاہب پر فوقیت دینے کی یہ کوشش ان بادشاہوں کے دور

میں بھی شامل رہی یہ جذبات بالکل ایسے تھے جیسے آج بھی بھارت کے طول وعرض میں دیکھے جاسکتے ہیں کہ ہر مذہب سے بالاتر ہندوستانی قومیت ہے اور وہاں آج بھی مسلمان 'جے ہند' کا نعرہ لگاتے اور سیکولر آئین کو اپنا تشخص گردانتے ہیں۔ بھارت کی ہندو اکثریت اور تاریخ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکمرانی سے ہندوؤں کی نفرت مسلمانوں کو مجبوراً سیکولر نقطۂ نظر کو ماننے پر آمادہ رکھتی ہے۔تاریخ ہندوستان میں اورنگزیب عالمگیر بہرحال ایسا حکمران بنا جس کے دور میں نہ صرف مدارس اسلامیہ کی تعداد بڑھی بلکہ مجتہدین، علماء اور فقہی ماہرین کو حکومتی سرپرستی بھی حاصل ہوئی۔اورنگزیب کا دور ایک جابر حکمران کا دور گردانا جاتا ہے مگر اسے 'اسلامی دور حکمرانی' بھی کہا جاتا ہے۔اورنگزیب نے اپنے اقتدار کی طوالت کیلئے جو اقدامات اُٹھائے وہ محل نظر سہی مگر یہاں اُن کی بحث مقصود نہیں۔

اٹھارہویں صدی عیسوی کے بعد مغل رعب و دبدبہ کمزور ہوتا رہا مگر اسلامی فکر و فلسفہ اور علماء دین کی معاشرے پر گرفت اور رہنمائی بڑھتی رہی۔علماء دین کے بڑھتے رسوخ نے اُنہیں جہادی فکر کے تحت ایک منظّم لشکر کی صورت جہاد پر آمادہ رکھا تو دوسری جانب وہ حکومت کیلئے خطرہ بنے رہے۔ یہ صورت حال کم از کم ڈیڑھ صدی تک برقرار رہی، تا آنکہ 1857 کی جنگ آزادی نے نئے بدیسی حکمرانوں کے حق میں فیصلہ دے دیا۔اس صورت حال نے مسلمانوں کیلئے نازک صورت حال پیدا کی مگر ہندو مذہب کی نشاۃ ثانیہ کا بھی یہی دور تھا مسلمانوں کی حکمرانی کے خاتمے نے ان میں سیاسی بیداری پیدا کی اسی لیے انگریز حکمرانوں کے ساتھ ان کا تعاون اسی بغض معاویہ کا نتیجہ تھا جو اُنہیں صدیوں سے مسلمانوں سے رہا تھا۔گزشتہ تین چار صدیوں میں تعلیمیافتہ ہونے کا مطلب فارسی اور دینی تعلیم سے بہرہ ور ہونا تھا کیونکہ اب تک ہندوستان میں وہ جدید سائنسی تعلیم رائج نہ ہوسکی تھی جو یورپ کو ترقی کی معراج پر پہنچا چکی تھی۔اب یکا یک انگریز حکمرانوں کے دور میں تعلیم یافتہ ہونے کی کسوٹی بدل چکی تھی۔اس لیے ہندوؤں نے اپنی سیاسی بیداری کے باوصف جدید انگریزی و سائنسی تعلیم کی جانب رجوع کیا جبکہ مسلمانوں کی ہندوستان میں عظمت وسطوت اور اسلام کا فاتحانہ ماضی اُنہیں اس عظمت کے چھن جانے پر

ماتم اور غم واندوہ میں مبتلا کیے ہوئے تھا۔ یہ رونا دھونا اُنہیں مزید پستی کی جانب دھکیل رہا تھا۔ سرزمین ہندوستان میں شیخ احمد سرہندی سے جس کلمۃ الحق کہنے کا آغاز ہوا تھا وہ کسی نہ کسی صورت جاری رہا۔ ہندوستان میں اس کا نکتہ عروج 'تحریک شہیدین' (شاہ اسماعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ) کی صورت میں حاصل ہوا مگر جنگ آزادی کے بعد علماء کرام کے جہاد میں گزرے سالہا سال اُنہیں اُسی سرزمین پر جامد کر رہے تھے۔ اس صورت حال نے مسلمانوں اور انگریزوں کو ایک دوسرے سے بدظن کر دیا تھا۔ جنگ آزادی سے پہلے سرسید احمد خان نے جس راز کو جان لیا تھا اُسے اُنہوں نے 1857ء کے بعد ایک نعرے کی صورت میں بلند کرنا شروع کیا۔ یہ صدا انگریز نواز سہی مگر اس نے مسلمانوں کے ایک طبقے کو جہاں متحرک کرنا شروع کر دیا تھا۔ تو وہیں اب اس قافلے میں ہر آنے والے دن مزید تر مسلمانوں نے شامل ہونا بھی شروع کر دیا تھا۔

۔،۔،۔،۔،۔،۔،۔،۔،۔

حوالہ جات

ا۔ مسلمانوں کا عروج و زوال۔ تالیف از مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مطبوعہ ادارۂ اسلامیات لاہور صفحہ نمبر 323 (حاشیہ)